

دینی جدوجہد کا اصل محور

جناب سید محمد صمیم پاشا صاحب

(۲)

اخلاقی و معاشرتی نوعیت کی خرابیاں تو ایسی ہیں کہ معاشرے میں جاری و ساری ہونے کے باوجود ان کی ناپسندیدگی پر ایک رائے عام پائی جاتی ہے۔ جھوٹ، رشوت، چوری، فحاشی، بے رحمی وغیرہ کو یوں بھی دیکھا کے عام اخلاق میں برا ہی سمجھا گیا ہے، سبھا کہ ”مذہبی دلیلوں“ سے ان کی حمایت میں لڑائی۔ یہ بُرائیاں تو ایسی ہیں کہ صرف ان کی نشان دہی بھی عیب کشا ہوتی ہے۔ اُن کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو معاشرے کی تائید بھی مل جاتی ہے، مگر ترکیب تصورات و اشغال کی نوعیت ایسی نہیں ہے۔ یہ بُرائیاں خاص مذہبیت ہی کا جامہ زیب تن کر کے دین میں داخل ہوتی ہیں۔ انہیں کارِ ثواب اور قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر ہی کیا جاتا ہے، اُن کے خلاف بولنے والوں کے مقابلہ پر خود مذہبی ذوق رکھنے والے عناصر ہی کمر بستہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی حقیقت کھولنے اور لوگوں کو ان سے بچانے کے لیے زیادہ محنت کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ توجہ کی بھی۔

پھر یہ بھی غور طلب ہے کہ تمام جرائم میں سرفہرست اسلام نے کس کو رکھا ہے؟ کون سا حکم دے کر دوسرے احکامات دیتے ہیں؟ کس نقص کی اصلاح کے بعد دوسرے افعال پر توجہ دی ہے؟ اور کس قصور کی بنا پر اعمالِ صالحہ کا دفتر بھی ردی ٹھیرے گا؟ وہ گناہ آخر کیا ہے جس کو ظلمِ عظیم، کلمہِ خبیثہ اور ضلالِ بعید جیسے

حقیر نام دیئے گئے اور جن کے ترکیبیں کو شر الہرّیہ کا لقب دیا گیا؟ کیوں ایک شخص رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہو کر بھی بروز محشر آپ کی شفاعت سے محروم رہے گا؟ اور معصیت کی وہ کیا نوعیت ہے جس کے لیے بار بار خلود فی النار کی وعید سنائی گئی ہے؟ پھر ایک شخص شرابی یا چور یا رشوت خور یا فاحش ہونے کے ساتھ ساتھ بد عقیدگی کا بھی شکار ہو اور اس کا ایمان نظری اعتبار سے بھی نادرست ہو تو اس کی غیر خواہی کا تقاضا دین حق کیا بتاتا ہے؟ کس نقص کے باوجود اس کی آخرت میں نجات ممکن ہے اور کس کے ہوتے ہوئے اُس کے اعمالِ صالحہ بھی اُس کو فائدہ نہ دیں گے؟ ایک داعی کو اولین توجہ کس پہلو کی اصلاح پر دینی ہوگی؟ — حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک سنجیدہ مطالعہ بھی فکر مندر دینے کے لیے کافی ہے، کیونکہ اسلام جس مسئلہ کو سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ توجہ طلب قرار دیتا ہے، اسی کی طرف سے ایک عام سستی اور کاہلی ہے، بے حسی اور اغماض ہے، بے رضی اور عدم دلچسپی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَعْصِيْ اَنْ يُّشْرِكَ بِهٖ وَ يَخْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔ اور اس کے سوا دوسرے گناہ جس کو چاہے بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ نساء) ایک دوسری غلط فہمی جو دراصل اول الذکر ہی کا ایک شاخسانہ ہے، پھپھلی ہوئی ہے کہ ”چونکہ عقیدے کی غلطیوں کو سمجھنا تو ایک کارے دار دہے، اکثر لوگ بات نکلتے ہی کترا کر نکل جاتے ہیں، ورنہ تاویل میں دیتے لگتے ہیں، اُلجھ پڑتے ہیں، مان کر نہیں دیتے۔ البتہ اَللّٰہُ اس غیر خواہی کو دشمنی پر محمول کرتے ہیں تو آخر یہ بھی کیا حکمت ہے کہ پہلے مرحلہ ہی پر اس موضوع کو اٹھایا جائے؟ کیوں نہ ابتداءً ہی امور کو لیا جائے جو متفقہ ہیں، جن کے بارے میں دو رائیں نہیں ہیں، جن کو ہر شخص سمجھتا ہے، جس سے اختلاف کی مجال کسی کو نہیں؟ اور پھر تبلیغ کی حکمت بھی تو عین

یہی ہے کہ پہلے قدر مشترک کو بیچ میں لا کر بات آگے بڑھائی جائے۔ اس "حکمت و مصلحت" کے ذیل میں قرآن مجید سے ایک آیت کا جزو بھی برائے تہنید، سنایا جاتا ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (اہل عمران) "کہو، اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے"۔

حالانکہ درست نتیجہ اسی آیت کو پورا پڑھ دینے سے نکل آئے گا، جس میں محولہ جزو کے معاً بعد یہ صراحت موجود ہے: اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُنْشِرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (اہل عمران)

یہ کہ ہم اپنے اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے۔ دیکھا تو جائے کہ اس آیت میں کون سی ایسی بات ہے جو اہل کتاب اور اہل ایمان کے مابین "متفق علیہ" تھی؟ آیا یہ کہ اہل ایمان کی طرح یہود و نصاریٰ بھی الہ واحد کی بندگی پر راضی تھے؟ یا یہ کہ وہ بھی اسلامی عقیدے کے مطابق عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول ہی مانتے تھے؟ یا یہ کہ وہ نظریہ تثلیث کے مخالف تھے اور مسیح کو اللہ یا ابن اللہ نہیں کہتے تھے؟ اپنے علماء کو شریعت سازی کا مجاز نہیں سمجھتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں جس قدر مشترک کا ذکر ہے۔ وہ طریقین کے درمیان، صرف داعی ہی کے لیے تسلیم شدہ مگر مدعو کے لیے محض واجب التسلیم کے درجہ میں تھی۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہر دو گروہ دوسری ہزاروں برائیوں کے ساتھ ساتھ شرک کی بیماری میں مبتلا تھے جب کہ ان کے انبیاء نے بھی اسی مرض سے ان کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ محنت کی تھی۔ ان کو بھی اسی دین کی تبلیغ کی گئی تھی جو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیش کیا جا رہا تھا، جس کا پہلا درس ہی اخلاص بندگی ہے اور دراصل یہی وہ بھولا ہوا سبق تھا جو ترتیب دعوت کے مطابق سب سے پہلے انہیں یاد دلا یا گیا۔

پھر عام اس سے کہ اب کتنے مسائل اس اُمت میں اختلاف کی آماجگاہ بننے سے رہ گئے ہیں۔ اور اُمت کے باطل پر جمع نہ ہونے کی پیش گوئی برحق، مگر ایجاباً، ایسے اتفاقی امور کی تعداد کیا ہے جنہیں قوم کا ہر طبقہ مان رہا ہے، اور دین ایک، خدا ایک، نبی ایک، کتاب ایک کہنے کے بعد کتنے قدم ملا کر صحیح سمت کی طرف اٹھائے گئے ہیں؟ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آج جن مسائل کو ”متفقہ“ اور ”ہرگز وہ کے نزدیک تسلیم شدہ“ کہہ کر ان کی جو اشاعت دین کی اس بنیادی تعلیم کے مقابلہ میں نمایاں کی جا رہی ہے، نوعیت کے اعتبار سے کس درجہ کی ہیں؟ وہ دین کا اصل ہیں یا اس کا فروع؟ مبادیات ہیں یا اُن کے تقاضے؟ بنیادیں ہیں یا اُن پر اٹھانی جانے والی دیواریں؟ اگر ان کی نوعیت پہلی تھیں، بلکہ دوسری ہے تو پھر وہ جوڑ کہاں ہے جس پر یہ بار شجر آئے گا؟ وہ بنیاد کدھر ہے جو دیواروں کا بوجھ سہارے گی؟ یہ بھول، بُوٹے اور شاخیں کس اصل سے پیوست ہوں گی؟ کیا اسلام کی بھی قلم لگائی جائے گی؟ یا سنت اللہ آج کے زمانے میں آکر بدل گئی ہے کہ پھل، پھول اور ڈالیاں پہلے آگئیں گی اور جوڑ بننے کا مرحلہ بعد میں آئے گا۔ آخر کب تک ایمانیات کے بنیادی مسائل کو ”اخلاقی مسئلہ“ کہہ کر شناختیت کا درجہ دیا جائے گا؟ اور کہاں تک ”حکمت و مصلحت“ کے نام سے کتمانِ حق اور رعایتِ باطل کے جوڑ لادے جائیں گے اور ”تدریج“ کی اصطلاح، دین کی ترتیب اُلٹ کر، اس کی جدوجہد کے لیے استعمال ہوگی۔ یہ بھی غور طلب ہے کہ اللہ کا دین کیا اس قدر مظلوم اور ایسا ہی مسکین ہے کہ اس کا ابلاغ لوگوں کی اجازت پر موقوف ہو؟ کیا شہادتِ حق کا ایسا ہی کچھ تقاضا ہے کہ دین کے انہی اجزا کو نشر کیا جائے جو عوام کو گوارا ہوں؟ کیا بنوں کی ناراضگی کی ایسی بھی کوئی قیمت ہے کہ اس کے مقابلے پر اللہ کی ناراضگی مول لے لی جائے؟ اگر دینِ حق کے احقاق کے لیے ایسی ہی لوچ دار تبلیغ کافی تھی تو یہ **الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ** (احزاب)

(باقی بر صفحہ ۱۳۷)